درس ۱۶

جہاد فی سبیل اللہ کی غایت اولیٰ شہادت علی الناس

سورۃ الحج کے آخری رکوع کی روشنی میں

(۲)

مطالباتِ دین کا خلاصہ

اَحْمَدُہٗ وَاُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

سورۃ الحج کے آخری رکوع کا جزوِ ثانی جو دعوتِ عمل پر مشتمل ہے' یا جس میں یوں کہنا چاہئے کہ ایمان کے عملی مقتضیات کا بیان ہوا ہے کہ ایک بندۂ مؤمن سے اس کا دین کیا تقاضا کرتا ہے' دو آیات پر مشتمل ہے :

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ؕ ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ؕ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ ۚ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ھُوَ مَوْلٰکُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ۝ ﴾

© rasailojaraid.com

"اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور بندگی کرو اپنے رب کی اور بھلے کام کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور جہاد کرو اللہ کے لئے جیسا کہ اس کے لئے جہاد کا حق ہے۔ اُس نے تمہیں چن لیا ہے اور تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم کے طریقے پر۔ اس نے تمہارا نام رکھا مسلمان' پہلے بھی اور اس میں بھی' تاکہ ہو جائیں رسول (ﷺ) گواہ تم پر اور ہو جاؤ تم گواہ پوری نوعِ انسانی پر۔ پس قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ اور اللہ سے چمٹ جاؤ۔ وہی ہے تمہارا پشت پناہ۔ تو کیا ہی اچھا ہے پشت پناہ اور کیا ہی عمدہ ہے مددگار!"

یہ دو آیات ہیں جن میں ایمان کے مقتضیات کو نہایت جامعیت کے ساتھ سمو دیا گیا ہے۔ پہلی آیت نسبتاً چھوٹی ہے' دوسری طویل' بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید کی طویل ترین آیات میں سے ہے تو غالباً غلط نہ ہو گا۔ ان آیات میں' جیسا کہ آپ نے نوٹ کیا ہو گا' پے بہ پے فعل امر وارد ہوئے ہیں کہ یہ کرو اور یہ کرو۔ حکمت قرآنی کا یہ اصول پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اسلام کی دعوت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے' ایک ہے دعوتِ ایمان جو عام ہے پوری نوع انسانی کیلئے' ہر فردِ نوعِ بشر کیلئے' اور دوسری ہے دعوتِ عمل۔ ظاہر بات ہے کہ اس کے مخاطب صرف وہی ہو سکتے ہیں کہ جو ایمان کا اقرار کر چکے ہوں' جو دعویٰ کرتے ہوں اللہ کو ماننے کا' آخرت کو ماننے کا اور نبوت ورسالت کو ماننے کا۔ ایسے ہی لوگوں سے یہ مطالبہ کیا جائے گا کہ اب ایمان کے ان عملی تقاضوں کو پورا کرو! اس ضمن میں یہاں جو چند الفاظ وارد ہوئے ہیں اگر نگاہ کو صرف ان کے ظاہر تک محدود نہ رکھا جائے' بلکہ کسی قدر گہرائی میں اتر کر غور کیا جائے' تو مطالباتِ دین اور دین کے عملی تقاضوں کے ضمن میں ایک بڑا عمدہ نقشہ سامنے آتا ہے جسے اگر ایک سیڑھی سے مشابہ قرار دیا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ جیسے ایک منبر کے قدمچے (Steps) ہوتے ہیں جن پر قدم رکھ کر انسان درجہ بدرجہ اوپر چڑھتا ہے' اسی طرح مقتضیاتِ دین یا دین کے عملی مطالبات کا تدریجاً اور سلسلہ وار بیان ان دو آیتوں میں آیا ہے۔

پہلی سیڑھی : ارکانِ اسلام

فرمایا: ﴿ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾ "رکوع کرو اور سجدہ کرو!" قرآن مجید میں اکثر و

© rasailojaraid.com

بیشتر آپ دیکھیں گے کہ نماز کے مختلف ارکان کا ذکر ہوتا ہے' لیکن ان سے نماز مُراد لی جاتی ہے۔ جیسے سورۃ المزمل میں فرمایا گیا : ﴿ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴾ "کھڑے رہا کرو رات کو سوائے اس کے کچھ حصے کے۔" اب ظاہر بات ہے کہ کھڑے ہونے سے یہاں نماز میں کھڑے ہونا مُراد ہے۔ اسی طرح سورۃ الدھر کی آیت ہے : ﴿ وَمِنَ الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَیْلًا طَوِیْلًا ﴾ "اور رات کے ایک حصے میں اللہ کے سامنے سربسجود رہا کرو اور تسبیح کیا کرو!" یہاں تسبیح اور سجدہ سے مُراد درحقیقت نماز ہی ہے۔ چنانچہ سورۃ الحج کی اس زیرِ نظر آیۂ مبارکہ میں بھی رکوع اور سجود سے مُراد نماز ہے۔ اور نماز درحقیقت ارکانِ اسلام میں رُکن رکین ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ارکانِ اسلام میں سے پہلا رکن کلمۂ شہادت ہے' لیکن وہ آپ سے آپ یہاں گویا understood ہے' اس لئے کہ جب گفتگو کا آغاز ہو رہا ہے ﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ کے الفاظ سے تو سیدھی سی بات ہے کہ وہی لوگ یہاں مخاطب ہیں جو کلمۂ شہادت ادا کر چکے ہیں۔ اس کے بعد ارکانِ اسلام میں سے اہم ترین رکن بلاشبہ نماز ہے • جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا :

﴿ بَیْنَ الرَّجُلِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ)) (صحیح مسلم)

"کفر و شرک اور بندے کے درمیان نماز کا معاملہ حائل ہے"۔

لہٰذا اولاً اسی کا حوالہ دیا گیا کہ نماز قائم کرو۔ گویا نماز کی حیثیت تمام ارکانِ اسلام میں نمائندہ رکن کی ہے اور اس کے ذیل میں زکوٰۃ' روزہ اور حج آپ سے آپ مندرج ہیں' خواہ لفظاً وہ مذکور نہ ہوں۔ یہ حقیقت اگلی آیت کے آخر میں جا کر کھل جائے گی کہ یہاں رکوع و سجود سے مُراد صرف نماز نہیں بلکہ تمام ارکانِ اسلام مُراد ہیں۔ بہرحال یہ بات بالکل منطقی ہے اور سمجھ میں آنے والی ہے کہ جو شخص ایمان کا اقرار کرتا ہے اُس پر سب سے پہلی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ ارکانِ اسلام کی پابندی کرے۔ یہ پہلی سیڑھی ہے۔ اس پر قدم جماؤ تب دوسری سیڑھی کی طرف بڑھو!

دوسری سیڑھی : بندگیٔ ربّ

وہ دوسری سیڑھی کیا ہے! ﴿ وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ ﴾ "اپنے رب کی بندگی کرو!" یعنی اس کے عبد اور غلام بن کر زندگی بسر کرو! اس (تعالیٰ) کو اپنا آقا سمجھو اور اپنے آپ کو اُس کا مملوک جانو! اپنے کل وجود کا مالک اسی کو سمجھو اور اپنی پسند و ناپسند' اپنی چاہت'

© rasailojaraid.com

اپنی مرضی‘ ان سب سے اس کی اطاعت کے حق میں دستبردار ہو جاؤ! یہ اطاعت تمہاری پوری زندگی پر حاوی ہونی چاہئے‘ بغیر اس سے کہ اُس کے کسی جزو کو اُس سے مستثنیٰ کیا گیا ہو! اسی کی مرضی کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھالو! اور یہ پورا طرزِ عمل اختیار کرو اللہ کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر! اس منتخب نصاب میں اس سے پہلے ایک سے زائد مقامات پر عبادت کی حقیقت کی طرف توجہ دلائی جا چکی ہے۔ نماز‘ روزہ‘ زکوٰۃ اور حج جنہیں ہم عبادات کہتے ہیں‘ سب اصلاً اسی ہمہ گیر عبادت کے لئے مطلوب ہیں۔ یہ اس عبادتِ عظیم کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے فرض کئے گئے ہیں۔ نسیان اور غفلت کا علاج نماز سے کیا گیا۔ اپنے نفس کے تقاضوں کو کنٹرول میں رکھنے کے لئے روزہ عطا کیا گیا۔ مال کی محبت کی گرفت دل سے کم کرنے کے لئے زکوٰۃ فرض کی گئی۔ اور ان تمام مقاصد کو پورا کرنے والی ایک جامع اور عظیم عبادت حج کی شکل میں تجویز کی گئی۔ لیکن غور کیجئے کہ ان سب کا مقصد یہی تو ہے کہ بندگیٔ رب کا تقاضا پورا کرنے میں جو رکاوٹیں اور موانع ہیں انسان کے اندر ان سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ لہٰذا ارکانِ اسلام کی پہلی سیڑھی کے بعد "عبادت رب" کی یہ دوسری سیڑھی منطقی طور پر بہت مربوط ہے : ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ ﴾

تیسری سیڑھی : افعالِ خیر‘ خدمتِ خلق

لیکن اسی پر بس نہیں‘ ابھی اس سے آگے ایک تقاضا اور بھی ہے : ﴿ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ ﴾ نیک کام کرو‘ بھلے کام کرو‘ خلقِ خدا کی خدمت پر کمربستہ ہو جاؤ۔ ((خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ)) ـــــ اسے یوں سمجھئے کہ اللہ کی عبادت کا تقاضا تو اس کے احکام پر عمل پیرا ہونے سے پورا ہو جائے گا‘ لیکن اس سے آگے بھی انسان کے لئے نیکی کا‘ خیر کا‘ بھلائی کا ایک وسیع و عریض میدان ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا سورۃ البقرہ میں : ﴿ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ﴾ کہ ہر کسی نے اپنا کوئی نہ کوئی ہدف بنایا ہوا ہے جس کی طرف اس کا رُخ ہے‘ پس اے اہل ایمان! تم نیکیوں میں‘ بھلائیوں میں‘ حسنات میں‘ خیرات میں‘ صدقات میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔ تو جہاں تک

© rasailojaraid.com

عبادت کا تقاضا ہے وہ تو احکامِ خداوندی پر عمل کرنے سے پورا ہو گیا' لیکن اب آگے بڑھو' یہ خدمت خلق کا میدان کھلا ہوا ہے۔ یہ ہے مفہوم "وَافْعَلُوا الْخَيْرَ" کا۔

البتہ یہاں ایک وضاحت ضروری ہے۔ خدمت خلق کا ابتدائی درجہ یقیناً وہی ہے جس سے سب واقف ہیں' یعنی بھوکے کو کھانا کھلانا' کسی کے پاس تن ڈھانپنے کو اگر کچھ نہیں ہے تو اس کا تن ڈھانپ دینا' کسی بیمار کے علاج معالجے اور دوا دارو کا اہتمام کر دینا' کسی کی عیادت یا مزاج پُرسی کر دینا وغیرہ۔ حضور اکرم ﷺ نے تو اس کو یہاں تک وسعت دی ہے کہ فرمایا : ((تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ صَدَقَةٌ)) "اپنے کسی ملاقاتی سے کشادہ روئی اور متبسم چہرے کے ساتھ ملاقات کر لینا بھی صدقہ ہے"۔ یہ بھی خیر اور نیکی کا کام ہے کہ وہ آئے تو آکر اُکتاہٹ نہ ہو کہ یہ خواہ مخواہ کیوں آیا' بلکہ وہ محسوس کرے کہ تمہیں اس سے مل کر ایک فرحت ہوئی ہے' تاکہ اس کی طبیعت میں بھی ایک انبساط پیدا ہو۔ تو یقیناً خیر' بھلائی' نیکی اور خدمت خلق کا بنیادی تصور یہی ہے' لیکن اس سے ایک بلند تر سطح بھی ہے۔

خدمت خلق کی بلند ترین سطح

وہ بلند تر سطح یہ ہے کہ وہ لوگ جن کی زندگی غلط رخ پر پڑ گئی ہے اور وہ لوگ کہ جو اپنی غفلت اور نادانی کے باعث ہلاکت اور بربادی کی طرف بگٹٹ دوڑے جا رہے ہیں' ان کی عاقبت سنوارنے کی فکر کرنا۔ جیسے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسے ہے جیسے کہ آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ ہے' تم اس میں گر پڑنا چاہتے ہو اور میں تمہارے کپڑے پکڑ پکڑ کر تمہیں گھسیٹ کر اس ہلاکت خیز انجام سے بچانا چاہ رہا ہوں۔ چنانچہ خلق خدا کو خدا کی بندگی کی دعوت دینا اور بھولے اور بھٹکے ہوؤں کو صراطِ مستقیم اور سواء السبیل پر لے آنے کی کوشش کرنا درحقیقت خدمت خلق کی بلند ترین سطح ہے۔ موٹی سی بات ہے' ہم خود سوچ سکتے ہیں' ایک انسان کے پیٹ میں لگی ہوئی بھوک کی آگ کو اگر آپ نے بجھا بھی دیا تو کیا حاصل اگر وہ سموچا آگ کا نوالہ بننے والا ہے! آپ کو اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔ اس کا دارومدار دراصل اس بات پر ہے کہ آیا آخرت پر یقین

© rasailojaraid.com

ہے یا نہیں ؟ اگر یقین ہے تو جیسا کہ ہم سورۃ التحریم میں پڑھ آئے ہیں کہ کسی شخص کو اگر آخرت کا یقین ہے تو وہ اپنی اولاد اور اپنے اہل و عیال کے بارے میں سب سے بڑھ کر جس چیز کے لئے کرشاں ہو گا وہ ان کی آخرت کی بھلائی ہو گی۔ اگر آخرت نگاہوں کے سامنے ہے ہی نہیں تو ظاہر بات ہے کہ اپنے اہل و عیال کی صرف دنیوی منفعت ہی پیش نظر رہے گی۔ یہی معاملہ یہاں بھی ہے۔ ایک ایسے شخص کے نزدیک جس کی باطنی آنکھ کھل چکی ہے اور جسے آخرت کی حقیقت نظر آ گئی ہے اصل خدمت خلق کا کام خلق خدا کو راہِ ہدایت پر لانا ہو گا کہ جس سے ان کی ابدی زندگی' ہمیشہ کی زندگی سنور جائے۔ اگرچہ ظاہر بات ہے کہ ایسا شخص اس دنیا میں بھی کسی کو تکلیف میں دیکھ کر تڑپ اٹھے گا۔ آیہ بر میں ہم تفصیل کے ساتھ یہ پڑھ چکے ہیں : ﴿ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ﴾ اسی حقیقت کو حضور ﷺ نے یوں تعبیر فرمایا تھا : ((مَنْ یُحْرَمِ الرِّفْقَ فَقَدْ حُرِمَ الْخَیْرَ کُلَّہٗ)) کہ جو شخص دل کی نرمی سے' دردمندی سے محروم ہے وہ گویا کل کے کل خیر سے محروم ہو گیا۔ تو خدمت خلق کے اس درجے کی اپنی جگہ اہمیت ہے۔

ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ میں خدمت خلق کے یہ دونوں پہلو بتمام و کمال نظر آتے ہیں۔ وحی کے آغاز سے قبل بھی آپ ﷺ انسانیت کاملہ کی معراج پر فائز تھے۔ انسانی ہمدردی کا مادہ آپؐ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ ﷺ یتیموں کی خبر گیری کرنے' بیواؤں کی سرپرستی فرمانے' مساکین اور محتاجوں کی امداد کرنے اور مسافروں کی مہمان نوازی فرمانے میں پیش پیش تھے' جس کی سب سے بڑی شہادت آپؐ کی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اس موقع پر دی تھی جب پہلی وحی کے بعد آپؐ پر بربنائے طبع بشری کچھ گھبراہٹ کی کیفیت طاری تھی۔ لیکن خلعت نبوت سے سرفراز کئے جانے کے بعد جب حقائق منکشف ہوئے' جب آپ ﷺ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے ﴿ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ ۘ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ تو اب آپؐ کی پوری زندگی' آپؐ کی تمام توانائیاں' آپؐ کا ایک ایک لمحہ بسر ہو رہا ہے خلق خدا کو آخرت کے برے انجام سے بچانے کی کوشش میں۔ یہی خدمت خلق کی معراج ہے۔

© rasailojaraid.com

یہ اس کی بلند ترین منزل ہے۔

چڑھائی تو بہر طور چڑھنی ہے!

بہرحال پہلی آیت میں یہ تین سیڑھیاں سامنے رکھ دی گئیں کہ اب تمہیں چڑھنا ہوگا۔ ایک عجیب آیت قرآن مجید میں سورۃ المدثر میں وارد ہوئی ہے : ﴿ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴾ "ہم چڑھوائیں گے اُسے بلندی"۔ ولید بن مغیرہ کے ذکر میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ آخرت کے عذاب کا نقشہ کھینچا گیا کہ وہاں چڑھایا جائے گا اسے بلندی پر' اسے بلندی چڑھوائی جائے گی۔ یہ بلندی انسان کو بہرحال چڑھنی پڑے گی' اس دنیا میں چڑھ لے یا پھر آخرت میں وہ یہ چڑھائی چڑھنے پر مجبور ہوگا۔ اس دنیا میں اہل ایمان کو عمل صالح کی چڑھائی چڑھنی ہوگی۔ اسی طرح دین کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے محنت اور جدوجہد کرنی ہوگی' یہ سیڑھی چڑھنا ہوگا۔ ہم پر تو ارکانِ اسلام کی پابندی ہی بہت شاق ہے۔ اس سے اوپر پوری زندگی میں اللہ کی اطاعت کاملہ ہمارے اعتبار سے بہت بھاری' بہت ثقیل' بہت مشکل معلوم ہوتی ہے ؎

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا اِلٰہ را!

پھر اس سے اوپر بھی ایک تقاضا ہے دین کا۔ اپنے آپ کو ہمہ تن خلق خدا کی خدمت میں صرف کر دینا' اس کے لئے وقف کر دینا' اور لگا دینا۔ یہ ہے مطالباتِ دینی کی تیسری منزل۔

فلاح کی اُمید!

ان تین تقاضوں کے بیان کے بعد فرمایا : ﴿ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ "تاکہ تم فلاح پاؤ"! لَعَلَّ کا اس انداز میں ترجمہ ہم اس لئے کرتے ہیں کہ یہ کلامِ الٰہی ہے' ورنہ "لَعَلَّ" کا اصل لفظی مفہوم عربی زبان میں "شاید" کا ہے۔ گویا لغوی ترجمہ یوں ہوگا "شاید کہ تم فلاح پاؤ" لیکن چونکہ شاہانہ کلام میں لفظ "شاید" اگر آئے تو وہ ایک حتمی وعدے کی صورت ہوتا ہے' جیسے کوئی بادشاہِ وقت اگر اپنے کسی درباری سے یہ کہے کہ تم یہ کام کرو شاید کہ ہم تمہیں فلاں چیز دیں تو دراصل یہ ایک پختہ وعدہ ہے۔ اسلئے سورۃ الحج کی اس

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

آیت میں ہم ترجمہ یوں کرتے ہیں : "تاکہ تم فلاح پاؤ"۔ لیکن اس آیت کے حوالے سے بھی کم سے کم اس حقیقت کی طرف رہنمائی ہو جاتی ہے کہ یہ فلاح ایسے ہی حاصل ہو جانے والی چیز نہیں ہے' یہ اتنی بے وقعت شے نہیں ہے کہ بس زبان سے چند کلمات ادا کرنے سے حاصل ہو جائے۔ اگر اسلام اور ایمان کا صرف زبانی اقرار کافی ہو تا تو ان الفاظ مبارکہ کا یہاں لانا کہ ﴿ اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ ﴾ یہ سب تحصیل حاصل قرار پائے گا۔ پھر یہ سارا کلام' نعوذ باللّٰہ مِنْ ذٰلِک ایک مہمل اور عبث کلام قرار پائے گا' اگر کوئی یہ سمجھے کہ فلاح اس کے بغیر بھی حاصل ہوتی ہے۔

یہاں گویا کہ اس آیۂ مبارکہ کی شکل میں وہ پورا سبق ایک مرتبہ پھر ہمارے سامنے آ گیا جو سورۃ العصر کا حاصل اور ہمارے اس پورے علمی و ذہنی سفر کا نقطۂ آغاز ہے : ﴿ وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ○ ﴾ وہاں وہ بات منفی اسلوب میں تھی۔ "زمانہ گواہ ہے کہ یقیناً تمام انسان خسارے اور گھاٹے میں رہیں گے" ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○ ﴾ "سوائے ان کے جو ایمان لائیں' نیک عمل کریں' ایک دوسرے کو حق کی تلقین اور وصیت کریں اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کریں"۔ یہاں دیکھئے وہی بات ایک مثبت اسلوب میں آئی ہے کہ اگر فلاح کے طالب ہو' کامیابی چاہتے ہو' رشد سے ہم کنار ہونا چاہتے ہو' تو تمہیں محنت و مشقت لازماً کرنی ہوگی ۔

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ!

وہ محنت کیا ہے؟ اس کی وضاحت ہے سورۃ الحج کی اس آیت میں کہ : ﴿ اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا ﴾ پہلی چیز ہے نماز' اور اس کے ساتھ ہی گویا بقیہ ارکانِ اسلام زکوٰۃ' روزہ اور حج بھی اس کے تابع ہیں اور ان کا التزام بھی ضروری ہے۔ پھر دوسرا تقاضا بندگیٔ رب کا ہے ﴿ وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ ﴾ کہ ہر معاملے میں اپنے رب کی اطاعت پر کمربستہ ہو جاؤ' پوری زندگی کو اس کے حوالے کر دو اور اس سے بھی آگے بڑھ کر ﴿ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ ﴾ بھلائی پر' خدمت خلق پر کمربستہ ہو جاؤ۔ لوگوں کی خیر خواہی' لوگوں کی فلاح' خلق خدا کی

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

ابدی بہبود کے لئے اپنی قوتیں ' اپنی توانائیاں اور اپنی صلاحیتیں صرف کردو ' اپنے اوقات لگاؤ اور کھپاؤ! یہ ساری محنت کرو تو امید کی جا سکتی ہے کہ ﴿ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ شاید کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اس کے بعد دوسری آیت میں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے ' سورۃ العصر میں بیان کردہ نجات کی چار شرائط میں سے آخری دو یعنی ﴿ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾ کے لئے ایک جامع اصطلاح آگئی "جہاد"۔

جہاد کی اہمیت

اب ذرا جہاد کی اہمیت کے حوالے سے دونوں آیات کا موازنہ کیجئے! پہلی آیت میں چار فعل امر آئے تھے: اِرْکَعُوْا ' وَاسْجُدُوْا ' وَاعْبُدُوْا ' اور وَافْعَلُوا ' اور اس دوسری آیت میں جو حجم کے اعتبار سے بہت طویل ہے صرف ایک فعل امر آ رہا ہے ﴿ وَ جَاهِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ﴾ معلوم ہوا کہ جہاد کا معاملہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ پوری آیت جہاد اور اس کی غرض و غایت ہی کے بیان پر مشتمل ہے۔

© rasailojaraid.com

فرمایا "جہاد کرو اللہ کے لئے" "فِی اللّٰہِ" دراصل فی سبیل اللہ کا مخفف ہے۔ مراد ہے اللہ کی راہ میں "in the cause of Allah" یا یوں کہئے: "for the cause of Allah" اس کے لئے محنتیں کرو ' جدوجہد کرو ' کوششیں کرو۔ کشمکش ' تصادم اور مجاہدہ اس میدان میں ہونا چاہئے۔ یہ تمہارے ایمان کا چوتھا بنیادی تقاضا ہے۔

"حَقَّ جِھَادِہٖ" کا حقیقی مفہوم

یہاں نوٹ کیجئے کہ اس رکوع کے پہلے جزو میں شرک کی مذمت اور اس کے سبب کے بیان کے ضمن میں الفاظ وارد ہوئے تھے: ﴿ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ﴾ وہی اسلوب یہاں ہے: ﴿ جَاهِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ﴾ یہ محنت ' کوشش ' جدوجہد اور تصادم ہو گا اللہ کے لئے ' جس پر تم ایمان لائے ہو ' جسے تم نے اپنا مطلوب و مقصود اور محبوبِ حقیقی قرار دیا ہے ' اور یہ جہاد اور مجاہدہ ' کوشش اور یہ سعی اتنی ہونی چاہئے جتنا اور جیسا کہ اس کا حق ہے۔ غور کرو کہ تم پر کس کا کتنا حق ہے! کیا تم خود اپنے خالق ہو کہ

© rasailojaraid.com

اپنے نفس کے تقاضوں اور اس کے حقوق ہی کے پورا کرنے میں اپنی تمام توانائیاں ‘ اپنی قوتیں اور اپنی صلاحیتیں صرف کر رہے ہو؟ سوچو ‘ کس کے تم پر کتنے حقوق ہیں! والدین کے حقوق ہیں ‘ ادا کرو! لیکن غور کرو کہ والدین کے دل میں محبت و شفقت کے جذبات پیدا کرنے والا کون ہے؟ تم پر کس کا حق کتنا ہے ‘ معین تو کرو۔ اگر کوئی اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو اپنے وطن کے لئے وقف کر چکا ہے تو کیا صرف وطن کے حقوق کی ادائیگی ہی اس کے ذمے تھی؟ یہ درست ہے کہ وطن کا زیر بار احسان ہر شخص ہوتا ہے۔ وہ زمین کہ جس سے اس کے لئے غذا کے خزانے ابلتے رہے ہیں یقیناً اس کا ایک احسان اس کی گردن پر ہے۔ لیکن احسانات کو ناپو تو سہی ‘ کس کا کتنا حق ہے! معلوم ہو گا کہ تمام حقوق پر فائق حق اللہ کا ہے۔ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ تمام حقوق اللہ کے حقوق کے تابع ہو جائیں۔

وہ بات جو عبادت کی حقیقت کے ضمن میں ”شرک فی الحقوق“ کی بحث میں کافی تفصیل سے بیان ہو چکی ہے اسے یہاں اپنے ذہن میں تازہ کیجئے کہ انسان پر اوّلین حق اللہ کا ہے۔ سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع میں یہ مضمون آیا تھا: ﴿ اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ ﴾ ”کہ شکر کر میرا اور اپنے والدین کا“۔ اگر یہ فہرست مرتب کی جائے کہ انسان پر کس کس کے حقوق ہیں تو سرفہرست آئے گا اس کا خالق و مالک ‘ اس کا پروردگار ‘ اس کا پالن ہار۔ جس نے اسے عدم سے وجود بخشا ‘ جو اس کی کل ضروریات فراہم کر رہا ہے ‘ جو اسے درجہ بدرجہ تدریجی مراحل سے گزارتا ہوا ترقی کے مراحل طے کرا رہا ہے ‘ وہ ہے کہ جس کے حقوق سب سے فائق ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان یقیناً صد فی صد درست ہے کہ ((وَاِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا)) ”تمہارے نفس کا تم پر حق ہے ‘ تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہارے ملاقاتی کا بھی تم پر حق ہے“۔ یہ سب حقوق تسلیم ‘ لیکن یہ طے ہے کہ اللہ کا حق سب سے فائق ہے۔ تو اب ذرا سوچو کہ تمہاری توانائیوں کا کتنے فیصد اپنے نفس کیلئے صرف ہو رہا ہے! کتنے فیصد تم اپنی اولاد کیلئے صرف کر رہے ہو ‘ کتنا جزو اپنی توانائیوں کا تم نے اپنی قوم یا وطن کے لئے وقف کیا ہے اور اس کا کتنا حصہ ہے جو تم نے خدا کے لئے وقف کیا ہے؟ ﴿ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ﴾ کہیں کسی

© rasailojaraid.com

محفل میں ذرا سا کلمۂ خیر کہہ دینے یا دین کے کسی کام میں کوئی چندہ دے دینے سے یہ سمجھ لینا کہ اللہ کا حق ادا ہو گیا' انگلی کٹوا کر شہیدوں میں شریک ہونے کی کوشش نہیں تو اور کیا ہے! یہاں اس کا سدباب کیا جا رہا ہے : ﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾

ایک اور پہلو سے بھی غور کیجئے کہ واقعتاً انسان کی شخصیت کے دو ہی پہلو ہیں' ایک اس کا علم اور فکر ہے' اس کی نظری اور فکری قوتیں ہیں' اور دوسرا اس کا عمل ہے' بھاگ دوڑ ہے' سعی و جہد ہے' اس کی صلاحیتوں اور توانائیوں کو بروئے کار آنا ہے۔ ان دونوں کا جو نقطۂ عروج ہے اس کو اس رکوع کے دو حصوں میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک ہے اللہ کی معرفت' اللہ کا اندازہ جیسا کہ اس کا حق ہے : ﴿مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ اور دوسرا ہے اللہ کے لئے محنت' بھاگ دوڑ اور سعی و جہد۔ ﴿اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہ انسان کا جینا اور مرنا' جاگنا اور سونا' بیٹھنا اور اٹھنا' یہ سب در حقیقت اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔ اسی کے لئے جدوجہد' اسی کے لئے کوشش' اسی کے لئے بھاگ دوڑ' گویا اسی میں انسان ہمہ تن اپنے آپ کو جھونک دے' یہ ہے جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ

فریضۂ رسالت کی ادائیگی اب اُمت کے ذمے ہے!

اَگلا لفظ بہت ہی معنی خیز اور قابل توجہ ہے : ﴿هُوَ اجْتَبٰكُمْ﴾ کہ اے مسلمانو' اے ایمان کے دعوے دارو اور اے ہمارے رسول محمد ﷺ کے امتی ہونے کے دعوے دارو! تم اپنا مقام اور مرتبہ پہچانو' تم اُسی طرح چن لئے گئے ہو جس طرح رسول ؑ چنے ہوئے ہیں۔ لفظ "اصطفٰی" اور "اجتبٰی" عربی زبان کے دو بڑے قریب المفہوم الفاظ ہیں۔ اگرچہ ان میں وہ ایک باریک سا فرق بھی ہے جو انگریزی کے دو الفاظ "choice" اور "selection" میں ہے۔ "choice" میں پسند کرنے والے کی پسند کو زیادہ دخل ہوتا ہے' جبکہ "selection" فی الاصل کسی مقصد کے لئے ہوتی ہے۔ کسی معینہ ہدف کے لئے کسی موزوں ترین شخصیت یا جماعت کا انتخاب "selection" کہلائے گا۔ "اصطفاء" میں choice کا معاملہ ہوتا ہے اور اجتباء میں selection کا۔ لیکن اپنے

© rasailojaraid.com

مفہوم کے اعتبار سے یہ دونوں الفاظ بہرحال بہت قریب المعنی ہیں۔ چنانچہ محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ دونوں ہی الفاظ مستعمل ہیں۔ محمد مصطفیٰ اور احمد مجتبیٰ ﷺ۔ چنانچہ وہی لفظ جو رسولوں کے لئے مستعمل ہے یہاں اُمت کے لئے آیا ہے "ھُوَاجْتَبٰکُمْ" تمہیں چن لیا گیا ہے' تمہیں پسند کر لیا گیا ہے' ایک مقصد عظیم کے لئے تمہارا انتخاب ہو گیا ہے۔ یہ مقصد عظیم کیا ہے؟ ذہن میں رکھئے کہ اس رکوع کے نصف اوّل میں نبوت و رسالت کے جس سلسلۃ الذھب کا بیان آیا تھا' اس سنہری زنجیر میں گویا ایک کڑی کا اضافہ ہوا ہے ختم نبوت کے باعث۔ اب نہ کوئی نبی آنے والا ہے اور نہ ہی کوئی اور رسول مبعوث ہو گا۔ چنانچہ خلق خدا پر اللہ کی طرف سے اتمامِ حجت کا فریضہ اب اس اُمت کے سپرد کیا گیا ہے جو اپنے آپ کو منسوب کرتی ہے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف۔ گویا کہ وہ ہدایت جس کی تلقی اولاً جبرئیل نے کی تھی اللہ سے' اور پہنچا دیا تھا جسے محمد رسول اللہ ﷺ تک' اور پھر جسے پہنچایا محمد رسول اللہ ﷺ نے اُمت تک' اب اس اُمت محمدؐ کا فریضۂ منصبی ہے کہ وہ اُسے پہنچائے پوری نوعِ انسانی تک۔ گویا یہ اُمت اس سلسلۃ الذھب کی ایک کڑی (Link) کی حیثیت سے مستقلاً اس کے ساتھ جوڑ دی گئی' ٹانک دی گئی۔ اِس حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یہاں الفاظ بالکل ہم وزن لائے گئے ہیں۔ وہاں فرمایا تھا ﴿اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ﴾ اللہ چن لیتا ہے' پسند کر لیتا ہے فرشتوں میں سے بھی اپنے ایلچی اور پیغامبر اور انسانوں میں سے بھی۔ اور یہاں فرمایا: "ھُوَاجْتَبٰکُمْ" اے مسلمانو' اے ایمان کے دعوے دارو! اب تم چن لئے گئے ہو' تمہارا انتخاب ہو گیا ہے ایک عظیم مقصد کے لئے۔

اُمت مسلمہ کا یہ "اجتباء" یا چناؤ کس مقصد کے لئے ہوا' اس کا جواب آگے آ رہا ہے: ﴿لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ﴾ کہ تمہارے اس "انتخاب" (selection) کی اصل غرض و غایت یہ ہے کہ رسولؐ گواہ ہو جائیں تم پر اور تم گواہ ہو جاؤ پوری نوعِ انسانی پر —— یہ مقصد عظیم ہے جس کے لئے تمہارا انتخاب ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

اسلام دینِ فطرت ہے

لیکن آیت کے اس ٹکڑے سے پہلے ایک ضمنی بات درمیان میں آئی ہے۔ یوں سمجھئے کہ ایک "subordinate clause" جملے کے بیچ میں شامل کر دی گئی ہے۔ چنانچہ جس اُمت پر یہ بھاری ذمہ داری ڈالی جارہی ہے اس کی ہمت بندھانے کے لئے کچھ ترغیب و تشویق کے انداز میں فرمایا گیا : ﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ کہ اس دین کے معاملے میں اللہ نے تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ ان الفاظ مبارکہ کا ایک عمومی مفہوم تو یہ ہے کہ یہ دین 'دین فطرت ہے۔ خلاف فطرت کوئی حدود اور قیود یہاں عائد نہیں کی گئیں۔ فطری تقاضوں کے اوپر کوئی غیر فطری بندش اور پابندی یہاں نہیں لگائی گئی۔ اس کی تعلیمات فطرتِ انسانی کے لئے معروف اور جانی پہچانی ہیں۔ ان سے انسان طبعاً مانوس ہے۔ اس پہلو سے یہ دین آسان دین ہے۔ اس میں کوئی تنگی نہیں، کوئی سختی نہیں، اس میں رہبانیت کی پابندیاں نہیں، اس میں نفس کو کچل دینے والی ریاضتیں نہیں، اس میں رسومات کا کوئی لمبا چوڑا طومار نہیں۔ بہت سادہ دین فطرت ہے۔

بنو اسماعیل کے لئے اضافی سہولت

آیت کا یہ مفہوم اُمت مسلمہ کے تمام افراد سے متعلق ہے، خواہ دنیا کے کسی بھی خطے سے تعلق رکھتے ہوں، لیکن بالخصوص وہ لوگ جو قرآن کے اوّلین مخاطب تھے، جن سے اس اُمت محمدؐ کا نیوکلیس تیار ہوا، جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور اس ناطے ان کا رشتہ جڑ تا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ، ان کیلئے اس پہلو سے بھی اس دین میں کوئی تنگی نہیں ہے کہ یہ تو ان کے جد امجد ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے۔ یہ بیت اللہ جس سے محبت و عقیدت انہیں ورا ثتاً بھی ملی تھی انہی کا بنایا ہوا گھر ہے جس کے گرد طواف کا سلسلہ ان کے ہاں دورِ جاہلیت میں بھی جاری رہا، قربانی کا سلسلہ جاری رہا، منیٰ اور عرفات کا قیام جاری رہا، یہ سب چیزیں تو تمہاری نسلی اور قومی روایات کا جزو بن چکی ہیں۔ اس پہلو سے تمہارے لئے تو کوئی تنگی نہیں، اس دین کے اور تمہارے درمیان جنبیت کا کوئی پردہ حائل نہیں۔ ہاں، جو غلط باتیں تم نے اس میں شامل کر دی تھیں ان کو

© rasailojaraid.com

ہٹا دیا گیا ہے۔ اسی طرح تمہارے جو اپنے رواج اور معاشرتی طور طریقے تھے بنیادی طور پر انہی کی اساس پر شریعت محمدیؐ کا تانا بانا تیار ہوا ہے۔ ان میں جو چیزیں غلط تھیں انہیں کاٹ پھینکا گیا اور جو صحیح تھیں انہیں برقرار رکھا گیا۔ لہٰذا یہاں خطاب کے اعتبار سے جو لوگ نبی اکرمؐ اور قرآن حکیم کے اولین مخاطب تھے ان کے حوالے سے کہا گیا : ﴿ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ "یہ تمہارے باپ ابراہیم کا طریقہ ہے"۔ تمہارے لئے اس کے قبول کرنے میں یا اس کے علمبردار اور پرچارک بننے میں کہیں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، کوئی اجنبیت کا پردہ حائل نہیں۔

آگے ارشاد ہوتا ہے : ﴿ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا ﴾ "اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا، پہلے بھی اور اس میں بھی"۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اس اُمت کے لئے لفظ مسلمان تجویز کیا تھا۔ خانہ کعبہ کی دیواریں اٹھاتے ہوئے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی زبان پر یہ دعا جاری رہی : ﴿ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ﴾ "اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا فرماں بردار (مسلمان) بنائے رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک اُمت مسلمہ برپا کیجیو!" تو تمہارا یہ نام تمہارے جدامجد نے رکھا ہے۔ اللہ نے بھی اس کتاب میں، اس کلام پاک میں تمہیں اسی نام سے موسوم کیا ہے : ﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ اس پہلو سے گویا ایک مرتبہ پھر اعادہ ہو گیا اسی حقیقت کا جو اس سے پہلے سورۃ حٰمٓ السجدۃ کے درس میں آ چکی ہے کہ ایک داعی حق اور ایک داعی الی اللہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا تعارف صرف بطور مسلمان کرائے : ﴿ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ کسی اور گروہی نسبت یا کسی تعلق کو نمایاں کرنا درحقیقت دعوتِ اسلامی یا دعوت الی اللہ کے مزاج کے منافی ہو جائے گا۔

© rasailojaraid.com

شہادت علی الناس : امت کا فرضِ منصبی

یہ ضمنی مضمون تھا۔ اس کے بعد اگلے الفاظ مبارکہ کو جوڑ لیجئے ﴿ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ ﴾ ہے۔ کہ اے مسلمانو! تمہارا انتخاب ہو گیا ہے، تم چن لئے گئے ہو ایک مقصد عظیم کے

© rasailojaraid.com

لئے۔ اور وہ مقصد عظیم یہ ہے کہ سلسلۂ نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد اب کارِ نبوت کی ذمہ داری مجموعی طور پر تمہارے کاندھوں پر ہے۔ شہادت علی الناس کا فریضہ جو انبیاء ادا کرتے رہے وہ اب تمہارے ذمے ہو گا۔ اللہ کی طرف سے خلق خدا پر اتمامِ حجت‘ اللہ کا پیغام خلق خدا تک پہنچا دینا‘ جیسے کہ پہنچا دینے کا حق ہے‘ اور اپنے قول و عمل سے اس دین اور اس توحید کی شہادت دینا‘ جیسے کہ علامہ اقبال نے کہا ع ”دے تو بھی محمدؐ کی صداقت کی گواہی!“ —— یہ سب کام اب تمہیں بحیثیت اُمت کرنے ہوں گے۔ ﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ﴾ ”تاکہ ہو جائیں رسول گواہ تم پر“ —— انہوں نے تو اِبلاغ و تبلیغ کا حق ادا کر دیا‘ انہوں نے اللہ کا کلام تمہیں پہنچا دیا خواہ اس راہ میں انہیں ماریں کھانی پڑیں‘ گالیاں سننی پڑیں‘ استہزاء اور تمسخر کا ہدف بننا پڑا‘ ان پر پتھروں کی بارش ہوئی‘ ان کے دندان مبارک شہید ہوئے اور خواہ انہیں اپنے قریب ترین اعزہ کی جانوں کا نذرانہ اللہ کے حضور میں پیش کرنا پڑا۔ ذرا تصور میں لایئے حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب کے اعضاء بریدہ لاشے کو۔ ناک کٹی ہوئی‘ کان کٹا ہوا‘ اسی پر بس نہیں‘ سینہ چاک کر کے کلیجہ تک چبا ڈالا گیا تھا —— محمد ﷺ نے یہ سارے شدائد جھیلے‘ تمام مصیبتیں برداشت کیں‘ مسلسل تئیس برس تک سخت ترین مشقت سے آپ کو سابقہ رہا۔ اس میں تین برس کی وہ قید بھی ہے‘ شعب بنی ہاشم کی قید‘ جس میں سخت ترین فاقہ اور شدید ترین بھوک کی آزمائش بھی آئی۔ اسی میں وہ یوم طائف بھی ہے جس کا نقشہ یہ ہے کہ ہر طرف سے پتھراؤ ہو رہا ہے‘ اور محمد رسول اللہ ﷺ کا جسم مبارک لہولہان ہو گیا ہے! پھر اس میں غارِ ثور کا وہ صبر آزما مرحلہ بھی ہے‘ اس میں وہ دامن اُحد کا جاں گسل معرکہ بھی ہے‘ اس میں بدر و حنین کے تمام مراحل آئے‘ لیکن ان تمام مراحل کا نتیجہ کیا ہے؟ محمد ﷺ نے اللہ کی توحید کی گواہی اس شان سے دی کہ اس کا حق ادا کر دیا۔ اللہ کے کلام کا ابلاغ اس طور سے فرمایا کہ اس کا حق ادا کر دیا۔ اللہ کے دین کی گواہی اپنے قول سے بھی دی اور عمل سے بھی۔ اور اس دین کے نظام کو عملاً برپا کر کے دکھا دیا‘ تاکہ کسی کے پاس کوئی عذر نہ رہے‘ کوئی یہ بہانہ پیش نہ کر سکے کہ اے اللہ مجھے معلوم نہ تھا کہ تو کیا چاہتا ہے!

© rasailojaraid.c

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گواہی

چنانچہ ذرا چشم تصور سے دیکھئے! حجۃ الوداع کا موقع ہے‘ عرفات کا میدان ہے‘ حضور ﷺ نے اپنے اس آخری حج میں متعدد خطبے ارشاد فرمائے‘ عرفات کے میدان میں بھی اور منیٰ کی وادی میں بھی۔ تیئس برس کی محنت شاقہ کا حاصل‘ ایک لاکھ سے زائد افراد کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندر ہے۔ عرب کے کونے کونے سے کھنچ کر آئے ہوئے لوگ جمع ہیں۔ حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں جس کے آغاز ہی میں آپ ؐ یہ فرما کر لوگوں کو چونکا دیتے ہیں کہ لوگو شاید دوبارہ اس مقام پر ملاقات نہ ہو! گویا اشارہ دے دیا گیا کہ یہ الوداعی خطبہ ہے‘ آخری باتیں ہیں جو حضور ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں۔

اسی خطبے میں وہ الفاظ بھی آئے جن کا حوالہ سورۃ الحجرات کے درس کے ضمن میں دیا جا چکا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات کا ملخص‘ لب لباب اور اہم نکات کو بتکرار و اعادہ بیان فرمایا کہ کسی انسان کو کسی دوسرے انسان پر کوئی فضیلت نہیں۔ عورتوں اور غلاموں کے حقوق کی طرف آپ ؐ نے انتہائی تاکیدی انداز میں توجہ دلائی۔ بڑا مفصل خطبہ ہے جسے پورا نقل کرنا یہاں پیش نظر نہیں ہے۔ خطبے کے اخیر میں آپ پورے مجمع سے ایک سوال کرتے ہیں : اَلَاھَلْ بَلَّغْتُ؟ لوگو‘ کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟ صحابہ کرام ؓ کا عام معمول یہ تھا کہ حضور ؐ جب بھی بغرض تعلیم ان سے کوئی سوال کرتے تھے تو صحابہ ؓ بالعموم اولاً اس کے جواب میں کہتے تھے اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ (یعنی اللہ اور اس کے رسول ؐ بہتر جانتے ہیں) پھر جب آپ ؐ دوبارہ یا سہ بارہ سوال کرتے تب وہ اپنی سمجھ کے مطابق مختصر سا جواب دیتے تھے۔ لیکن اس موقع پر ہم دیکھتے ہیں کہ خلافِ معمول اس ایک سوال کا مفصل جواب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیک زبان دیا کہ "اِنَّا نَشْھَدُ اَنَّکَ قَدْ بَلَّغْتَ وَ اَدَّیْتَ وَ نَصَحْتَ" بلکہ ایک روایت میں مزید تفصیل وارد ہوئی : "اِنَّا نَشْھَدُ اَنَّکَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَۃَ وَ اَدَّیْتَ الْاَمَانَۃَ وَ نَصَحْتَ الْاُمَّۃَ وَ کَشَفْتَ الْغُمَّۃَ" کہ اے نبی ؐ ہم گواہ ہیں کہ آپ نے حق امانت ادا کر دیا‘ آپ نے حق تبلیغ ادا کر دیا‘ آپ نے حق نصح و خیر خواہی ادا کر دیا‘ آپ نے گمراہی کے پردوں کو چاک کر دیا اور ہدایت کا سراج منیر اور خورشید تاباں آپ کی

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

کوششوں کے نتیجے میں اس وقت نصف النہار پر چمک رہا ہے ـــــ حضورؐ نے صحابہ کرامؓ سے یہ گواہی تین مرتبہ لی۔ پھر آپؐ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور تین مرتبہ زبان سے یہ الفاظ ادا فرمائے : "اَللّٰھُمَّ اشْہَدْ۔ اَللّٰھُمَّ اشْہَدْ۔ اَللّٰھُمَّ اشْہَدْ" تفصیل یہاں تک آتی ہے کہ آپؐ نے اپنی انگشت شہادت سے پہلے اشارہ فرمایا آسمان کی طرف' پھر لوگوں کی طرف' زبان پر یہ الفاظ جاری تھے : "اَللّٰھُمَّ اشْہَدْ" کہ اے اللہ! تو بھی گواہ رہ۔ اے اللہ! تو بھی گواہ رہ۔ اے اللہ! تو بھی گواہ رہ کہ میں آج سبکدوش ہو گیا۔ میری ذمہ داری ختم ہو گئی۔ تیری ایک امانت مجھ تک پہنچی تھی بواسطۂ جبرئیل۔ پیغام تھا نوعِ انسانی کے لئے۔ میری حیثیت امین کی تھی' میں نے وہ ذمہ داری ادا کر دی۔ میں نے وہ پیغام لوگوں تک پہنچا دیا اور ان سے گواہی لے لی ہے کہ میں نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا حق ادا کر دیا ہے۔

© rasailojaraid.com

حضورؐ نے صحابہؓ سے گواہی کیوں لی؟

غور کرنا چاہئے کہ حضور ﷺ نے اس اہتمام کے ساتھ یہ گواہی کیوں لی۔ درحقیقت منصب نبوت و رسالت سے سرفراز ہونا جہاں ایک طرف باعث عز و شرف ہے وہاں دوسری طرف یہ ایک انتہائی کٹھن اور نازک ذمہ داری بھی ہے۔ ایک سادہ سی مثال سے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ اگر آپ اپنے کسی عزیز کو کوئی پیغام بھیجیں کہ فلاں کام فلاں وقت تک ضرور ہو جائے' ورنہ بہت بڑا نقصان ہو جائے گا۔ آپ نے کسی کی معرفت وہ پیغام بھیجا۔ گویا درمیان میں ایک ایلچی ہے جو آپ کے پیغام کو آپ کے عزیز تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ فرض کیجئے وہ کام نہیں ہوا۔ اب آپ تحقیق و تفتیش کریں گے کہ اس کام کے نہ ہونے کی وجہ سے جو نقصان ہوا ہے اس کا ذمہ دار کون ہے! اگر تو پیغام پہنچ گیا تھا اور پھر اس عزیز نے وہ کام نہیں کیا تو آپ کا سارا گلہ شکوہ اس سے ہو گا' وہ ایلچی بری قرار پائے گا' اور اگر کہیں اس ایلچی نے کوتاہی کی ہے' اس نے پیغام پہنچایا ہی نہیں' تو ظاہر بات ہے آپ اپنے اس عزیز سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتے' سارا بوجھ آئے گا اس ایلچی پر کہ جس نے وہ ذمہ داری ادا نہ کی۔ یہ ہے وہ نازک اور کٹھن ذمہ داری جو انبیاء و رسل کے

© rasailojaraid.com

کندھوں پر آتی ہے۔ اُن کی جانب سے اگر ابلاغ میں اور پہنچانے میں بالفرض کوئی کمی رہ جائے تو بقیہ انسانوں سے بازپرس کی نوبت تو بعد میں آئے گی، پہلے ان کی جواب طلبی ہو جائے گی۔ یہ بات سورۃ الاعراف کے آغاز میں نہایت واضح الفاظ میں موجود ہے : ﴿ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ "ہم لازماً پوچھ کر رہیں گے ان لوگوں سے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور ہم لازماً پوچھ کر رہیں گے رسولوں سے بھی۔" اور یہی ہے اس آیت کا حاصل کہ : ﴿ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ﴾ کہ اے نبی پہنچا دیجئے جو کچھ نازل ہوا ہے آپ پر آپ کے رب کی جانب سے۔ اگر اس میں کوئی کمی ہوئی تو یہ فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی شمار ہو گی۔ اگرچہ ظاہراً احوال اس کا ہرگز کوئی امکان نہیں کہ اس معاملے میں نبی اکرم ﷺ سے کسی کوتاہی کا صدور ہوتا، لیکن یہاں دراصل مقامِ نبوت و رسالت کی نزاکت کا اظہار مقصود ہے۔

یہ بات ایک اور انداز میں بالکل آغاز ہی میں ان الفاظ میں واضح کر دی گئی تھی کہ ﴿ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴾ "ہم آپ پر ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں"۔ ایک بہت بڑی ذمہ داری آپ کے کاندھے پر آنے والی ہے۔ یہ ہے وہ بارِ امانت جو نبی اور رسول کے کندھے پر ہوتا ہے۔ رسول اس کو پہنچا کر بری ہو جاتا ہے۔ اس کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ اس نے گواہی دے دی حق کی، صداقت کی، توحید کی اور جو بھی اللہ کا پیغام آیا تھا اس کی۔ یہ گواہی اس نے قولاً بھی دے دی اور عملاً بھی۔ اور پھر لوگوں سے بھی یہ گواہی لے لی کہ "میں نے پہنچانے کا حق ادا کر دیا!" اب وہ بری ہو گیا۔ یہ ہے شہادت علی الناس۔ اسی کا ظہور ہو گا روزِ قیامت میدانِ حشر میں جب انفرادی محاسبے سے پہلے امتوں کے محاسبے کا مرحلہ آئے گا اور اُمتوں کو اجتماعی جوابدہی کے لئے کٹہرے میں آنا پڑے گا۔

رسولوں کی گواہی اپنی امتوں کے خلاف!

قرآن مجید میں ایک سے زائد مقامات پر یہ نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اُس وقت ہر اُمت کی

© rasailojaraid.com

طرف بھیجا جانے والا رسول پہلے سرکاری گواہ (Prosecution Witness) کی حیثیت سے کھڑا ہوگا اور یہ شہادت دے گا' testify کرے گا کہ اے رب! تیرا جو پیغام مجھ تک پہنچا تھا میں نے بلا کم و کاست پہنچا دیا تھا۔ اب یہ لوگ اپنے طرزِ عمل کے خود ذمہ دار ہیں' یہ خود مسئول ہیں' یہ خود جواب دہ ہیں۔ یہ وہ بات ہے جو سورۃ النساء میں بڑی صراحت سے آئی ہے۔ اور ایک عجیب واقعہ سیرۃ النبیؐ کا اس کے ساتھ متعلق ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمائش کی کہ مجھے قرآن سناؤ۔ انہوں نے عرض کیا حضورؐ! آپ کو قرآن سناؤں' آپ پر تو وہ نازل ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں' لیکن مجھے دوسروں سے سن کر کچھ اور ہی کیف اور حظ حاصل ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے امتثالِ امر میں سورۃ النساء کی آغاز سے تلاوت شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچے جس کے الفاظ یہ ہیں: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا﴾ "کیا حال ہوگا اس دن جبکہ ہم ہر اُمت پر ایک گواہ کھڑا کریں گے' اور اے نبی آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے ان لوگوں کے خلاف!" تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا حسبک! حسبک! بس کرو! بس کرو! اب جو میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو نبی اکرم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

یہ ہے وہ نازک ذمہ داری کہ نبی کو میدانِ حشر میں استغاثہ کے گواہ کی حیثیت سے اُمت کے خلاف گواہی دینی ہوگی کہ اے رب! میں بری ہوں' میں نے پہنچا دیا تھا اور اب یہ اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہیں۔ جیسے کہ سورۃ المائدۃ کے اختتام پر نقشہ کھینچا گیا ہے کہ روزِ محشر حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال ہوگا: ﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ "اے مسیح! کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں کو بھی معبود بنا لینا اللہ کے ساتھ؟" جواب میں وہ عرض کریں گے کہ پروردگار! اگر میں نے یہ کہا ہوتا تو تیرے علم میں ہوتا۔ میں نے تو وہی کچھ کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا۔ میں نے تو انہیں تیری بندگی کی دعوت دی تھی۔ یہ اپنے عمل کے خود ذمہ دار ہیں۔ یہ ہے وہ شہادت اور گواہی جس کے لئے قرآنی اصطلاح ہے "شہادت علی الناس"۔ دنیا میں تبلیغ' تلقین اور ابلاغ کے ذریعے سے انسانوں پر اللہ کی طرف سے اتمامِ حجت قائم کرنا' قولاً بھی اور

© rasailojaraid.com

عملاً بھی۔ اور اسی کی بنیاد پر میدانِ حشر میں وہ گواہی ہوگی جس کی تفصیل سورۃ النساء کی آیت نمبر ۴۱ کے حوالے سے ہمارے سامنے آچکی ہے۔

تبلیغ دین کا کام اب اُمت کے ذمے ہے!

ہمارے لئے اصل قابل توجہ بات یہ ہے کہ خطبۂ حجتہ الوداع میں حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے گواہی لینے کے بعد آخری بات جو ارشاد فرمائی وہ یہ تھی "فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" کہ اب پہنچائیں وہ جو یہاں ہیں ان کو جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ اللہ کے پیغام کو نوع انسانی تک پہنچانے کا جو فریضہ انبیاء سرانجام دیتے تھے وہ اب اس اُمت کے ذمے ہے۔ قرآن جو ابدی ہدایت نامہ ہے' اس کی حفاظت کا ذمہ تو اللہ نے لے لیا۔ اب کسی نئی وحی کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ پیغامِ ربانی اپنے اتمامی اور تکمیلی درجے کو پہنچ چکا :

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾

چنانچہ تکمیل دین اور اتمامِ نعمت کے ساتھ ہی بعثت انبیاء و رُسل کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ خاتم النبیین اور آخر المرسلین قرار پائے اور اب اللہ کے پیغام کو خلق خدا تک پہنچانے کی ذمہ داری اُمت کے کاندھوں پر ڈال دی گئی۔ گویا اب کارِ نبوت' کارِ تبلیغ' کارِ دعوت' فرائض رسالت اور نوعِ انسانی پر اتمامِ حجت یہ تمام کام اب تاقیامِ قیامت اُمت کے ذمے ہیں۔ یہ فرضِ منصبی' اے مسلمانو اب تمہارے کاندھوں پر اجتماعی حیثیت سے عائد کر دیا گیا۔ یہ ہے وہ عظیم فریضہ اور یہ ہے نبوت و رسالت کے اس "سلسلۃ الذھب" (سنہری زنجیر) میں ایک مستقل کڑی کی حیثیت سے شامل کئے جانے کا مقام اور مرتبہ جو اے اُمت محمد (ﷺ) اب تمہیں حاصل ہوا ہے :

﴿هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ﴾

"امت وسط" کا مفہوم

قرآن حکیم کے اسلوب سے متعلق اس اہم حقیقت کا بیان اس سے پہلے بھی متعدد

© rasailojaraid.c

بار ہوا ہے کہ اہم مضامین قرآن میں دو مرتبہ ضرور ملیں گے' تلاش کرنا آپ کا کام ہے۔ اس ضمن میں دلچسپ بات یہ ہے کہ دوسرے مقام پر وہی مضمون بالعموم عکسی ترتیب کے ساتھ آتا ہے۔ اس کی ایک بڑی نمایاں مثال ہمیں یہاں نظر آتی ہے ــــ چنانچہ یہی مضمون سورۃ البقرۃ میں بھی آیا ہے۔ نوٹ کیجئے کہ سورۃ الحج کی اِس آیت میں جو ہمارے زیر درس ہے' لفظ اُمت وارد نہیں ہوا ہے' گو اس کی تشریح میں مَیں نے بار بار لفظ اُمت استعمال کیا ہے' جبکہ سورۃ البقرۃ میں یہ مضمون لفظ امت کے حوالے سے وارد ہوا ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ اے مسلمانو' غور کرو' تمہیں اُمت کیوں بنایا گیا! لغت میں "اَمَّ یَومُّ" کے معنی قصد کرنے اور ارادہ کرنے کے ہیں۔ اس اعتبار سے اُمت کے معنی ہوئے ہم مقصد لوگوں کا گروہ! ایک ایسی اجتماعیت اُمت کہلائے گی جو کسی ایک مقصد یا کسی ایک نصب العین کے گرد جمع ہو۔ اس اُمت مسلمہ کو' جسے سورۂ آل عمران میں "خیر امت" بھی کہا گیا ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾' یہاں سورۃ البقرۃ میں اُمت وسط قرار دیا گیا ہے۔

اُمت وسط کے دو معنی کئے گئے ہیں' ایک تو اس اعتبار سے کہ جو شے درمیانی ہوتی ہے' جو وسط کی ہوتی ہے' وہ بہترین ہوتی ہے۔ اس معنی میں اس کا ترجمہ ہوگا بہترین امت۔ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۱۰ اس مفہوم کی مزید تائید کر رہی ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ ایک دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ "وسط" درحقیقت دو چیزوں کے مابین کڑی (Link) کو کہتے ہیں۔ گویا اب تم ایک کڑی (Link) کی حیثیت رکھتے ہو محمد ﷺ کے اور پوری نوعِ انسانی کے مابین۔ جس طرح جبرئیل علیہ السلام کڑی تھے اللہ اور محمد ﷺ کے درمیان! محمد ﷺ نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا کر اتمامِ حجت کر دیا' اس پر تم سے شہادت اور گواہی بھی لے لی۔ اب تم واسطہ اور ذریعہ (Link) ہو اس پیغام کے آگے پہنچنے کا۔ اب تمہارے ذریعے اس پیغام کو آگے پہنچنا اور پھیلنا ہے۔ نوعِ انسانی پر اتمامِ حجت تمہارے ذریعے ہونی ہے۔ تو یہ ہے وہ مقصد جس کے لئے اے مسلمانو! تمہیں "امت وسط" بنایا گیا ہے۔

سورۃ الحج میں پہلے رسول کا ذکر تھا: ﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ﴾ اور اس

© rasailojaraid.com

کے بعد اُمت کا ذکر آیا : ﴿ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ جبکہ سورۃ البقرۃ میں ترتیب الٹ گئی ہے۔ یہاں اُمت کے ذکر سے بات شروع کی گئی : ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾ تمہیں بھی قیامت کے روز بطور گواہ پیش ہونا ہوگا اور اللہ کے دربار میں یہ گواہی دینی ہوگی کہ اے اللہ نوعِ انسانی کے نام تیرا جو پیغام قرآن حکیم کی شکل میں محمد رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے ہم تک پہنچا تھا ہم نے خلق خدا تک پہنچا دیا تھا' ہم نے حق تبلیغ ادا کر دیا تھا۔ اگر ہم نے اپنے اس فرضِ منصبی میں کوتاہی کی اور روزِ محشر ہم یہ گواہی نہ دے پائے تو سوچئے کہ دوسروں کے جرم سے بڑھ کر جرم ہمارا ہوگا۔ ہماری پکڑ پہلے ہوگی اور سب سے پہلے ہم مسئول اور ذمہ دار قرار دیئے جائیں گے کہ تم اس ہدایت کے خزانے کے اوپر سانپ بن کر بیٹھے رہے' تم نے اس کو دوسروں تک پہنچانے کا حق ادا نہیں کیا۔

© rasailojaraid.co

اُمت کی غفلت شعاری

خلق خدا ہم پر الزام دھرے گی کہ اے اللہ! یہ تھے تیرے دین کے علمبردار' یہ تھے تیرے کلام کے امین اور حامل' انہوں نے نہ صرف یہ کہ ہم تک اسے نہیں پہنچایا بلکہ خود بھی اس پر عمل نہیں کیا' یہ اپنے وجود سے خود دین کے لئے ایک حجاب اور رکاوٹ بن گئے۔ جارج برنارڈ شا کا مشہور قول ہے کہ میں جب قرآن پڑھتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس سے بہتر کتاب اور کوئی ممکن نہیں' لیکن جب میں مسلمانوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ان سے زیادہ ذلیل قوم کا تصور نہیں کیا جا سکتا —— یہ ہے وہ عملی شہادت جو مسلمان اپنے وجود سے' اپنے حال سے دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

جہاد کا مقصد اوّلین : فریضۂ شہادت علی الناس

بہرحال یہ شہادت علی الناس' یہ ابلاغ و تبلیغ دین' یہ دعوت اِلی اللہ کا فریضہ ادا کرنا' یہ ہے جہاد فی سبیل اللہ کی غایت اولیٰ اور مقصد اوّلین! یہ ہے وہ فرضِ منصبی جس کی ادائیگی کے لئے بڑی محنت اور کوشش کرنی ہوگی' اس کے لئے جان و مال اور اوقات کا ایثار کرنا ہوگا۔ خلق خدا پر خدا کی طرف سے اتمامِ حجت کا حق تبھی ادا کیا جا سکے گا کہ وہ یہ

© rasailojaraid.co

نہ کہہ سکے کہ اے اللہ تیرا پیغام ہم تک پہنچایا ہی نہیں گیا! یہ ہے وہ مقصد عظیم جس کے لئے اس شد و مد کے ساتھ اس آیت میں جہاد کی تاکید کی گئی : ﴿ وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ﴾

بسم اللہ کرو، عمل کے میدان میں قدم رکھ دو!

اب ہم اس آیۂ مبارکہ کے آخری حصے پر پہنچ گئے ہیں جس میں بڑے ہی عملی انداز میں یہ بات سامنے لائی گئی ہے کہ اگر بات سمجھ میں آ گئی' اپنے فرائض دینی کا شعور حاصل ہو گیا ﴿ ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ ﴾ اور ﴿ وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ﴾ کے حوالے سے مطالباتِ دین کی چاروں سیڑھیاں اگر نگاہوں کے سامنے آ گئیں، تمہیں اگر معلوم ہو گیا کہ ایمان کا تقاضا کیا ہے تو بِسْمِ اللّٰهِ کرو! قدم بڑھاؤ اور عمل کا آغاز کرو۔ اب یہاں گفتگو کا آغاز ہو رہا ہے "فَ" کے حرف سے' جیسے دو مرتبہ یہ کلمہ "فا" بڑے بامعنی انداز میں آیا ہے سورۂ تغابن میں۔ اسی طرح کا معاملہ یہاں ہے ﴿ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ بسم اللہ کرو' پہلی سیڑھی پر قدم رکھو' یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' سفر کا آغاز کر دو! فرائض دینی میں سے جو پہلا فرض ہے اُس کو تو پوری مضبوطی کے ساتھ پکڑو' اس پر تو کاربند ہو جاؤ!

یہاں دیکھئے وہ بات جو میں نے آغاز میں عرض کی تھی کہ "اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا" میں محض نماز کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ تمام ارکانِ اسلام مراد ہیں۔ چنانچہ یہاں اُسی نماز کی کوکھ سے زکوٰۃ برآمد ہو گئی۔ آگے فرمایا : ﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ﴾ اس پہلی سیڑھی پر قدم جما کر آئندہ کے مراحل کے لئے اللہ سے چمٹ جاؤ۔ عصمت کہتے ہیں حفاظت کو۔ اعتصام سے مراد ہے حفاظت کے لئے کسی سے چمٹ جانا۔ اصل میں یہاں تصویر لفظی ہے کہ کسی بچے کو اگر کہیں کسی طرف سے اندیشہ ہو' خوف لاحق ہو تو وہ اپنی ماں سے چمٹ جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں قلعے میں آ گیا ہوں اور ہر خطرے سے محفوظ ہو گیا ہوں۔ یہ ہے اعتصام۔ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ آئندہ کے مراحل کے لئے اللہ سے چمٹ جاؤ' اللہ کی حفاظت میں آ جاؤ' اللہ ہی کو اپنا مددگار سمجھو' اللہ کی تائید و توفیق پر بھروسہ رکھو! منزلیں

© rasailojaraid.co

بڑی کٹھن ہیں' ان فرائض کی ادائیگی آسان نہیں' ان میں سے ایک ایک سیڑھی بڑی ہی بھاری اور ایک پر ایک منزل بڑی کٹھن ہے' لیکن یہ کہ اللہ کا نام لے کر آغازِ سفر تو کرو ـــــ ﴿ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ﴾ نماز اور زکوٰۃ کے ذریعے بسم اللہ کرو' اور آئندہ کے لئے اللہ پر توکل کرو' اسی پر بھروسہ رکھو! ﴿ هُوَ مَوْلٰکُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ﴾ "وہ تمہارا مولیٰ ہے' تمہارا مددگار ہے پس کیا ہی اچھا ہے وہ مددگار اور کیا ہی اچھا ہے وہ پشت پناہ!" جسے اُس کی حمایت میسر آ جائے اب اس سے بڑھ کر کسی کو کس کی حمایت حاصل ہو گی! جس کو اس کی نصرت و تائید مل جائے اس سے بڑھ کر مطمئن اور بے فکر اور کون ہو گا!

"حبل اللہ" کی تعیین

© rasailojaraid.com

یہاں ایک بات ذہن میں رہے کہ "وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ" کے الفاظ میں ایک اجمال ہے۔ قرآن مجید کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تفسیر کرتا ہے۔ (اَلْقُرْاٰنُ یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا) تو وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ کی مزید شرح ہمیں سورۂ آل عمران میں ملے گی: ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ﴾ اب یہاں دیکھئے کہ "حَقَّ تُقٰتِهٖ" میں لفظی مناسبت موجود ہے۔ "حَقَّ جِهَادِهٖ" اور "حَقَّ قَدْرِهٖ" کے اسلوب میں یہاں "حَقَّ تُقٰتِهٖ" کے الفاظ آئے ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: ﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا ﴾ "اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو۔ گویا وہاں اللہ سے چمٹنے اور اس کے دامن سے وابستہ رہنے کے لئے اس کی رسّی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم ہے۔ لیکن یہ سوال پھر باقی رہ گیا کہ اللہ کی وہ مضبوط رسّی کون سی ہے؟ اس سوال کا قرآن مجید میں جواب نظر نہیں آتا۔ قرآن مجید کے اس اجمال کی مزید تفصیل ہمیں ملتی ہے محمد رسول اللہ ﷺ کے فرمودات میں۔ اس لئے کہ قرآن حکیم کے کسی اجمال کی تفصیل اور تبیین کرنا نبی اکرم ﷺ کا صرف حق نہیں آپؐ کا فرضِ منصبی ہے۔ ﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ ﴾ "اور نازل کیا ہم نے یہ ذکر آپ کی طرف تاکہ اے نبی آپ توضیح کر دیا کریں (مزید وضاحت کر دیا کریں) اُس کی کہ جو لوگوں کے لئے نازل کیا گیا"۔ چنانچہ مذکورہ بالا سوال کا جواب ہمیں نبی اکرم ﷺ

© rasailojaraid.com

کے ایک فرمان میں ملتا ہے جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ وہ ایک طویل روایت ہے جس میں قرآن مجید کی عظمت کا بیان ہے۔ اسی میں یہ الفاظ بھی آپؐ نے ارشاد فرمائے : هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ ! یہ قرآن ہے اللہ کی مضبوط رسّی!

سلسلۂ مضمون کو ذہن میں جوڑ لیجئے! "وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ" کی شرح مزید ہوئی "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ" کے الفاظ سے۔ اور وہ حبل اللہ کون سی ہے؟ اس کا جواب ملا حدیثِ نبویؐ کے ذریعے کہ "هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ" اس سے اشارہ ہو گیا کہ اس سارے عمل یعنی مجاہدہ فی سبیل اللہ اور شہادت علی الناس کی ادائیگی کے لئے مرکز و محور در اصل قرآن مجید ہو گا۔ یہ مضمون ہمارے منتخب نصاب کے اسی جزو میں سورۃ الجمعہ کے ضمن میں تفصیل سے زیر بحث آئے گا۔

© rasailojaraid.com

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○

قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس بذریعہ CD

قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس جو بذریعہ کتب و کیسٹ کروایا جاتا ہے' اس کے ساتھ ساتھ اب یہ کورس اللہ کی تائید و نصرت سے بذریعہ "CD" بھی کروایا جائے گا۔ یعنی کورس میں شامل 44 کیسٹ بھیجنے کی بجائے' ایسے افراد جن کے پاس کمپیوٹر کی سہولت ہو' انہیں "CD" بھیجی جائے گی۔ بذریعہ "CD" کورس کرنے کی صورت میں کورس کی فیس =/450 روپے ہو گی۔ داخلہ فارم پُر کرتے وقت یہ لکھنا ہو گا کہ ہم یہ کورس بذریعہ "CD" کرنا چاہتے ہیں۔

مزید تفصیلات کے لئے رابطہ کیجئے :

شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی 36 کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون : 03-5869501

© rasailojaraid.com